محمد بن قاسم: غیر مسلم سندھی رعایا سے برتاؤ

ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی ○

برصغیر پاک و ہند میں مسلم عہدِ حکومت (جسے عام طور پر عہدِ وسطیٰ کے ہندستان (Medieval India) کے نام سے جانا جاتا ہے) مذہبی و ثقافتی اور سماجی و سیاسی مختلف حیثیتوں سے کافی اہمیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کی تاریخ میں بڑی دل چسپی پائی جاتی ہے۔ ایک جانب اس زمانے کے اندازِ سیاست، نظمِ حکومت، مذہبی و تمدنی اور سماجی و معاشی حالات کو جاننے اور سمجھنے کی سنجیدہ و علمی کوششیں کی جاتی ہیں، تو دوسری جانب ایک طبقے کی مسلسل منصوبہ بند مہم یہ ہے کہ اس عہد کی تاریخ کو مسخ کر کے اس کی ایسی گھناؤنی تصویر پیش کی جائے کہ اس سے نہ صرف یہ کہ مسلم حکمرانوں سے بےزاری پیدا ہو بلکہ موجودہ دور میں ان کے ہم سخنوں کے خلاف جذبات بھی برانگیختہ ہوں۔ اس صورتِ حال میں اس بات کی ضرورت اور بڑھ گئی ہے کہ ہند میں مسلم عہدِ حکومت کی تاریخ کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا جائے، اور اس زمانے کے سیاسی واقعات، انتظامی اقدامات اور سماجی و معاشی کوائف کا گہری نظر سے جائزہ لیا جائے، تاکہ صحیح صورتِ حال سامنے آئے اور تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کی کوششیں ناکام ہو جائیں۔

ہند کے ساحلی علاقوں میں مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ ساتویں صدی عیسوی کے آخر سے شروع ہوا۔ مغربی ساحل پر تھانہ اور بھروچ کے علاقے میں مسلمانوں کی اوّلین مہم حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت سے منسوب کی جاتی ہے۔[1] جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں میں مسلم (عرب) تاجروں کی آمد آٹھویں صدی عیسوی سے شروع ہوئی، جو اس علاقے میں اسلام کے تعارف کا ذریعہ بنی۔

○ مدیر ششماہی 'علوم القرآن' اور سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

بعد میں یہاں مسلم معاشرت کے قیام اور مختلف مقامات پر ان کے مذہبی وثقافتی مراکز کے وجود میں آنے سے اسلام کی اشاعت کی راہیں مزید ہموار ہوئیں۔[۲] ہندستان میں مسلمانوں کی اوّلین حکومت ۷۱۲ء میں نوجوان سپہ سالار محمد بن قاسم [۶۹۵ء-۷۱۵ء] کی قیادت میں سندھ میں قائم ہوئی، اور اس سرزمین میں اسلام کی اشاعت اور اسلامی تہذیب وتمدن کے فروغ کا سلسلہ اسی دور سے شروع ہوا۔

اگرچہ محمد بن قاسم کو پورے دو سال بھی سندھ میں حکومت کرنے کا موقع نہ مل سکا، اور ان کے جانشینوں کے عہد میں عربوں کی حکومت یہاں کچھ ہی علاقوں (منصورہ وملتان) تک محدود ہو کر رہ گئی، لیکن ان کی حکومت کا یہ سلسلہ کسی نہ کسی طرح ۹۸۵ء تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ قرامطہ فرقے کے لوگ اس پر قابض ہوگئے۔[۳] یہاں اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ سندھ میں عربوں کی یہ حکومت ہندستان میں اسلام کی اشاعت اور اسلامی ثقافت کے فروغ کے اعتبار سے بہت مفید ثابت ہوئی۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس سے ہندستان کے دوسرے حصوں میں مسلم فتوحات کی راہیں بھی ہموار ہوئیں۔ اسی لیے سندھ کی فتح 'باب الاسلام فی الہند' کے نام سے بھی معروف ہے۔

مزید یہ کہ سندھ میں محمد بن قاسم کی حکومت اس لحاظ سے بھی خصوصی اہمیت رکھتی ہے کہ یہاں پہلی بار ہندستان میں مسلمانوں کو حکمران کی حیثیت سے ہندوؤں سے تعلقات ومعاملات قائم کرنے اور ان کے ساتھ اپنے طرزِعمل کے مظاہرے کا موقع ملا، اور ان سب سے اہم یہ کہ سندھ کے فاتح واوّلین حکمران محمد بن قاسم نے اپنی حکومت کے تحت ہندوؤں کی جو قانونی حیثیت (ذمّی) متعین کی اور ان کے تئیں جو روادارانہ رویہ اختیار کیا، وہ اسلامی اصول وضوابط کے مطابق تھا، اور وہی بعد کے دور میں شمالی ہندستان میں ترک سلاطین ومغل بادشاہوں کے لیے نظیر بن گیا۔

تاریخی واقعات اسی حقیقت کے شاہد ہیں کہ پورے مسلم عہدِحکومت میں یہاں عام طور پر غیرمسلموں کے ساتھ مسلم حکمرانوں کا برتاؤ، رواداری وانصاف پر مبنی رہا ہے۔ اس پس منظر میں یہ مطالعہ بڑی اہمیت ومعنویت رکھتا ہے کہ سندھ میں حکومت کے دوران محمد بن قاسم نے ہندوؤں کے ساتھ کیسا طرزِعمل اختیار کیا؟ اور ان کے ساتھ سلوک وبرتاؤ کا کیا معیار قائم کیا؟

ہندوئوں کی شرعی حیثیت کا تعین

سندھ میں محمد بن قاسم کی حکومت کے قیام کے بعد سب سے پہلے یہ بنیادی سوال زیربحث

آیا کہ: ''ہندوؤں کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ ان کے ساتھ ذمّی کا برتاؤ کیا جائے یا غیرمسلموں کے کسی اور طبقہ (حربی و امانی وغیرہ) کی حیثیت سے ان کے ساتھ سلوک کیا جائے؟''

تاریخ سندھ کے معروف ماخذ چچ نامہ[۴] کے بیان کے مطابق محمد بن قاسم نے سندھ کے مختلف علاقوں کے ان مفتوحین (جن میں برہمن اور بدھ دونوں شامل تھے) کو قانونی طور پر ذمّی کی حیثیت سے تسلیم کیا اور ان پر جزیہ عائد کیا، جنھوں نے اپنے قدیم مذہب پر قائم رہتے ہوئے مسلم حکومت کے زیرنگیں رہنے پر رضامندی ظاہر کی۔ اس حیثیت سے انھیں مذہبی آزادی ملی اور قدیم مندروں کی مرمت و آبادکاری کی اجازت بھی مرحمت ہوئی۔(علی بن حامد الکوفی، چچ نامہ، ص۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۲)

ان ذمّیوں پر تین شرح (مال دار کے لیے ۴۸ درہم، متوسط کے لیے ۲۴ درہم اور ان سے کم آمدنی والوں کے لیے ۱۲ درہم) کے مطابق سالانہ جزیہ عائد کیا گیا۔ اس سے متعلق فاتح سندھ نے باقاعدہ اعلامیہ بھی جاری کیا اور سندھ کے ہندوؤں (ذمّیوں) کو واضح طور پر یہ یقین دہانی کرائی کہ: ''انھیں مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مال و اسباب سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا''۔ (چچ نامہ، ص۲۰۹)

اگرچہ تاریخی ماٰخذ میں صراحت نہیں ملتی، لیکن قرینِ قیاس یہی ہے کہ فاتح سندھ نے والیِ عراق سے استفسار کے بعد ہی سندھ کے ہندوؤں کی شرعی حیثیت متعین کی ہوگی۔ بعض جدید مؤرخین نے (بغیر کسی حوالے کے) پوری قطعیت کے ساتھ یہ ذکر کیا ہے کہ: محمد بن قاسم نے عراق کے گورنر اور علما سے صلاح و مشورے کے بعد ہی سندھ کے غیرمسلمین کے بارے میں اپنا مذکورہ بالا موقف اختیار کیا۔[۵]

یہاں پر یہ واضح رہے کہ فتح سندھ کی مہم کے دوران اور قیامِ حکومت کے بعد بھی محمد بن قاسم کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اہم اُمور میں فیصلہ لینے سے قبل کوفہ کے اُموی گورنر حجاج بن یوسف [۶۶۱ء-۷۱۴ء] سے مشورہ کرتے تھے اور بعض اوقات ان میں شرعی نقطۂ نظر سے حل طلب مسائل بھی شامل ہوتے تھے۔ اس بات کے واضح شواہد ملتے ہیں کہ گورنرِ عراق مقامی علما سے مشورے کے بعد ہی اپنی رائے سے محمد بن قاسم کو مطلع کرتے تھے، اور اہم بات یہ کہ بعض معاملات میں

گورنر نے محمد بن قاسم کو جواب بھیجنے سے قبل خلیفہ کی رائے بھی معلوم کی۔[۶]

رہا یہ سوال کہ: ''سندھ کے ہندوؤں کو کس بنیاد پر ذمّی کی حیثیت دی گئی، جب کہ وہ 'اہلِ کتاب' میں سے نہیں تھے؟'' چچ نامہ اور دوسرے مآخذ کے بیانات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں 'شبہ اہلِ کتاب' کے زمرے میں شامل کر کے ذمّیوں کے حقوق دیے گئے (البلاذری، ص ۶۱۷؛ چچ نامہ، ص ۲۱۴)۔ متعدد جدید مؤرخین نے بھی اسی خیال کی تائید کی ہے۔[۷] یہاں پر یہ وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ تیرھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں شمالی ہند میں ترکوں کی حکومت (یا دہلی سلطنت) کے قیام کے بعد ہندوؤں کی اس حیثیت کو نہ صرف سلاطین نے سرکاری طور پر تسلیم کیا، بلکہ اسی کے مطابق ان کے ساتھ عملی رویہ اختیار کیا اور بعد میں مغل دورِ حکومت میں بھی ان کے ساتھ یہی طرزِ عمل جاری رہا۔ مزید برآں اس عہد کے تاریخی مآخذ اور فقہی لٹریچر میں ہندوؤں کے لیے 'ذمّی' کی اصطلاح کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔[۸]

یہاں یہ ذکر بھی برمحل معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ مغلیہ کے آخری دور کے مشہور عالم اور نقشبندی صوفی مرزا مظہر جانجاناں (۱۶۹۸ء-۱۷۸۱ء) تو ہندوؤں کو واضح طور پر 'اہلِ کتاب' میں شمار کرتے تھے۔[۹] مولانا ابوالکلام آزاد [م: ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء] کی رائے یہ تھی کہ اگر مجوسی وصابیٔ 'شبہ اہلِ کتاب' میں شمار کیے جاسکتے ہیں تو ہندو بدرجہ اولیٰ غیر مسلموں کے اس طبقے میں شامل کیے جانے کے مستحق ہیں۔[۱۰]

ہندوؤں سے حُسنِ سلوک

چچ نامہ اور دوسرے مآخذ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سندھ کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے یہاں کے انتظامی معاملات پر توجہ دی اور اُموی خلافت کی ہدایات کے مطابق وہ یہاں کا نظم ونسق چلاتے رہے۔ حکمراں (گورنر) کی حیثیت سے انھوں نے عوام کے ساتھ اچھے برتاؤ اور انصاف پسندی کا جو مظاہرہ کیا اور غیر مسلموں کے تئیں جو فراخ دلانہ سلوک روا رکھا، وہ تاریخی حقائق کا حصّہ ہے۔

یہ عظیم فاتح بذاتِ خود شریف الطبع، نیک طینت، نرم خو و انصاف پسند تھا۔ والیِ عراق، حجاج بن یوسف (جو ان کے چچا و خسر بھی تھے) بھی انھیں عوام سے اچھے تعلقات وحُسنِ معاملات کی تلقین برابر کرتے رہے۔ سندھ کی فتح کے دوران حجاج بن یوسف (جنھیں عام طور پر ایک جابر وظالم

حاکم کہا جاتا ہے) نے مختلف مواقع پر محمد بن قاسم کو تحریری ہدایات بھیجی تھیں۔ ان کی اوّلین تحریری ہدایت کے ایک حصّے کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

جب علاقے پر حکومت چلانا یقینی ہوجائے اور قلعے مضبوط ہوجائیں تو جو کچھ بچے اس کو رعایا کی بہبودی میں خرچ کرنے میں دریغ نہ کرو۔ تاجروں اور کاشت کاروں کے لیے ہر قسم کی رعایت روا رکھو، اس لیے کہ ان کی خوش حالی سے ملک آسودہ و خوش حال رہتا ہے۔ جو کوئی تم سے اقطاع (زمین کے عطیے) کا طلب گار ہو، اسے نا اُمید نہ کرو۔ رعایا کو امان دے کر ان کے دلوں کو مضبوط کرو۔ (چچ نامہ، ص ۱۱۶، اور ص ۱۲۷-۱۲۸)

اسی طرح ایک دوسرے موقعے پر والیِ عراق نے انھیں یہ تلقین کی:

اپنا ایک عام دستور یہ بنالو کہ رعایا کے ساتھ نہایت لطف و کرم سے پیش آؤ، تاکہ دشمن بھی اطاعت پر آمادہ ہوجائیں، رعایا کو ہر وقت تسلی دیتے رہو۔ (سیّد ابوظفر ندوی، تاریخ سندھ، ص ۹۶)

حقیقت یہ ہے کہ ان ہدایات پر عمل کرتے ہوئے محمد بن قاسم نے عوام کی بھلائی و خبرگیری میں دل چسپی اور غیر مسلموں کے ساتھ اپنے روادارانہ و منصفانہ برتاؤ سے یہ ثابت کر دکھایا کہ اہلِ اسلام جنگ کے بعد مفتوحوں و محکوموں کے ساتھ امن و آشتی کا معاملہ زیادہ پسند کرتے ہیں اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

مذہبی آزادی

سندھ کے مفتوحین میں جن لوگوں نے مسلم حکومت کی تابع داری اور جزیہ کی ادائیگی قبول کی، انھیں محمد بن قاسم نے مذہبی آزادی عطا کی اور یہ اجازت دی کہ وہ اپنے مذہبی رسوم و روایات بلاخوف و خطر بجالائیں۔ برہمن آباد کے زیر اقتدار آنے کے بعد محمد بن قاسم نے وہاں کے غیر مسلموں کے لیے جو مشہور اعلامیہ جاری کیا تھا، اس میں یہ صاف صاف ذکر تھا کہ: جو لوگ مسلم حکومت کے ماتحت رہتے ہوئے اپنے مذہب پر باقی رہنا پسند کریں گے، ان پر جزیہ عائد کیا جائے گا اور انھیں اپنے مذہب پر عمل کی آزادی حاصل ہوگی۔ اس سلسلے میں ان کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ کی جائے گی۔[11]

اس مسئلے پر اس سے زیادہ وضاحت برہمن آباد کے مشہور قدیم مندر کے پجاریوں کی

محمد بن قاسم کی خدمت میں پیش کردہ عرض داشت اور اس کے جواب میں ملتی ہے۔ اس قصبے پر مسلمانوں کے قبضے کے بعد وہاں کے عام لوگ اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ انھوں نے مندر آنا جانا بند کر دیا۔ اس کی وجہ سے مندر کے پجاری اور دیگر خدام پریشانی میں مبتلا ہوئے، اس لیے کہ ان کا سارا گزر بسر مندر کے نذرانے و بھینٹ پر تھا۔ آخرکار انھوں نے محمد بن قاسم (جن کی رحم دلی و انسانی ہمدردی اس وقت تک معروف ہوچکی تھی) کے سامنے عرض داشت پیش کی، جس میں اپنی پریشانی کا ذکر کرکے یہ درخواست کی کہ: ''اس مندر کی آبادکاری کے لیے ضروری قدم اُٹھایا جائے اور لوگوں کا خوف اور پریشانی دُور کی جائے، تاکہ ان کی آمدنی بحال ہوجائے''۔ محمد بن قاسم نے اس عرض داشت کی اطلاع حجاج کو بھیج کر ان کی راے معلوم کی۔ گورنر نے اس کا جو جواب دیا وہ مسلم حکومت کے تحت غیرمسلموں کے جانی و مالی تحفظ اور ان کی مذہبی آزادی کے مسئلے پر بہت ہی شافی و وافی ہے۔ اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

> تمھارا خط ملا اور حالات سے آگاہی ہوئی۔ اگر برہمن آباد کے مُکھیا [سردار] یا سربرآوردہ لوگ اپنا مندر آباد کرنا چاہتے ہیں تو اب، جب کہ انھوں نے ہماری اطاعت قبول کرلی ہے اور دارالخلافہ کو مال (جزیہ وغیرہ) ادا کرنے کا ذمہ لے لیا ہے تو اس محصول کے علاوہ ان پر ہمارا کوئی اور حق نہیں۔ جب وہ ذمّی ہوگئے تو ان کے جان و مال پر کسی طرح کی دست اندازی صحیح نہیں ہے۔ ان کو اجازت دی جائے کہ وہ اپنے معبود کی عبادت کریں۔ کسی کو بھی اپنے مذہب کی پیروی سے روکا نہ جائے تاکہ وہ اپنے گھر میں جس طرح چاہیں زندگی بسر کریں۔ (چچ نامہ، ص ۲۱۳، سیّد ابوظفر ندوی، ص ۹۳)

اس جواب کی وصولی کے بعد محمد بن قاسم نے شہر کے معززین و پجاریوں کو اس کے مندرجات سے آگاہ کیا اور ان کے سامنے یہ اعلان کیا کہ:

> ہرشخص بلاخوف وخطر مندر میں آجاسکتا ہے اور اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرسکتا ہے۔ اس باب میں ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ (چچ نامہ، ص ۲۱۳-۲۱۴)

دل چسپ بات یہ کہ اس موقعے پر محمد بن قاسم نے برہمن آباد کے شہریوں کو یہ نصیحت بھی کی کہ وہ قدیم رسم کے مطابق برہمن پجاریوں کو نذرو نیاز دینا جاری رکھیں اور بالخصوص برہمن فقرا پر

خوب داد و دہش کریں۔ مزید برآں انھوں نے یہ ہدایت بھی جاری کی کہ مال گزاری میں سے تین فی صد برہمن پجاریوں کے لیے علیحدہ رکھے جائیں، تاکہ بوقتِ ضرورت ان پر خرچ کیا جاسکے۔(چچ نامہ، ص ۲۱۴)

پہلی نصیحت کا تعلق بظاہر ہندو عوام سے معلوم ہوتا ہے، دوسری کے مخاطب غالباً اہلِ حکومت تھے، لیکن یہ واضح نہیں ہوسکا کہ برہمن پجاریوں کے لیے محصولِ اراضی کا تین فی صد مختص کرنا قدیم دستور تھا یا محمد بن قاسم نے یہ قانون وضع کیا۔ بصورتِ دیگر ممکن ہے یہ خصوصی رعایت کسی مصلحت کی بنا پر رہی ہو، لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے یہ بات محلِ نظر معلوم ہوتی ہے۔

محمد بن قاسم کی حکومت کے تحت سندھ میں ہندوؤں کو اپنے مندروں میں نہ صرف پوجا پاٹ کی آزادی تھی، بلکہ انھیں اپنی قدیم عبادت گاہوں کی مرمت وتجدید کاری کی اجازت بھی حاصل تھی۔ یہ بات برہمن آباد کے پجاریوں کی عرض داشت کے جواب سے واضح ہوتی ہے۔ دوسرے محمد بن قاسم نے اس موقعے پر یہ صراحت کی کہ ان کے مندروں کی وہی حیثیت ہے جو عراق و شام میں یہود کے کنیسوں، نصاریٰ کے گرجوں اور مجوسیوں کے آتش کدوں کی ہے۔ (البلاذری، ص ۶۱۷، چچ نامہ، ص ۲۱۴)

یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ اُموی وعباسی دورِ خلافت میں 'اہلِ کتاب' (یہود و نصاریٰ) اور 'شبہ اہلِ کتاب' (مجوسیوں) کی قدیم عبادت گاہوں کو نہ صرف تحفظ فراہم کیا گیا تھا، بلکہ ان کے متعلقین کو اپنی عبادت گاہوں کے نظم ونسق اور بوقتِ ضرورت ان کی مرمت کی آزادی بھی عطا کی گئی تھی۔ یہاں یہ واضح رہے کہ سندھ میں عربوں کی حکومت کے تحت یہ مذہبی آزادی نہ صرف برہمنوں یا ہندو مذہب کے ماننے والوں کو حاصل تھی، بلکہ پیروانِ بدھ مت بھی اس سے مستفیض ہوئے تھے۔

سماجی مراعات

محمد بن قاسم نے سندھ کے غیر مسلموں (ذمّیوں) کو مذہبی آزادی دینے کے ساتھ انھیں سماجی تحفظ فراہم کیا اور ان کے سماجی و معاشرتی حقوق کی پوری پوری رعایت کی۔ انھیں اس بات کی اجازت حاصل تھی کہ وہ اپنی سماجی مصروفیات وتقریبات کو انجام دیتے رہیں اور حسبِ دستورِ سابق اپنے مخصوص تہوار مناتے رہیں۔ برہمن آباد کے شہریوں کے سامنے انھوں نے کھلے عام یہ اعلان کیا

کہ انھیں اپنی رسوم و روایات کو بجا لانے اور تہواروں کا اہتمام کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہے (واعیاو مراسم خود را بشرائط آباء و اجداد قیام نمایند)۔(چچ نامہ، ص ۲۱۴)

مزید برآں ارضِ سندھ کے لوگوں میں جو پہلے سے اہلِ مناصب و اصحابِ حیثیت تھے، ان کے عہدہ و منصب کو فاتحِ سندھ نے بحال رکھا اور ان کے ساتھ معاملات میں ان کی سماجی حیثیت کی رعایت کی۔ اسی طرح جو لوگ یہاں کی قدیم رسم و رواج کے مطابق مخصوص لباس، زیور یا سواری استعمال کرتے تھے، انھیں اس کی اجازت باقی رہی۔(چچ نامہ، ص ۲۰۹-۲۱۰، سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن، ص ۱۴)۔ پھر یہ کہ ان میں جو مقامی رئیس یا مُکھیا کی حیثیت رکھتے تھے، انھیں 'رانا' کا خطاب عطا کیا گیا۔(چچ نامہ، ص ۲۱۴)

محمد بن قاسم کی حکومت کے تحت سندھ کے ہندوؤں کو جو سماجی مراعات حاصل ہوئیں اور عزت و آرام کے ساتھ انھیں زندگی بسر کرنے کا موقع ملا، اس کا اندازہ خود ان کے بیانات سے لگایا جاسکتا ہے۔ جب جزیہ و خراج کی ادایگی کی شرط پر حکومت کی جانب سے مہیا کردہ مذہبی، سماجی و معاشی آسانیاں وہاں کے اہم و بااثر لوگوں کے سامنے آئیں۔ انھوں نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ ان کی سماجی حیثیت بحال کی گئی اور سابق حکمران خاندان کے افراد بالخصوص باصلاحیت و تجربہ کار لوگوں کو حکومت کے کاموں سے منسلک کیا گیا۔ انھیں عہدہ و خطاب سے نوازا گیا تو وہ دیہات میں جا جا کر لوگوں کے سامنے مسلم حکومت کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے اور حکومت کی تابع داری پر لوگوں کو آمادہ کرتے رہے۔ ان کے بیانات کا ایک حصّہ یہاں قابلِ ذکر ہے:

> اے لوگو، تمھیں معلوم ہے کہ راجا داہر مقتول ہوگئے اور یہاں کافروں کی حالت ابتر ہوگئی۔ سندھ کے مختلف حصوں میں اہلِ عرب کی حکومت قائم ہوچکی ہے۔ اس سلطنت کے تحت شہر و قریات میں بڑے چھوٹے یکساں ہوگئے ہیں۔ ہمارے معاملات اب (مسلم) حکمران سے وابستہ ہوگئے ہیں۔ اگر سلطان کا فرمان نہ ہو تو ہمیں نہ مال ملے اور نہ معاش حاصل ہو۔ ہم پر یہ اہلِ حکومت کا فضل و کرم ہے کہ ہم اچھے عہدوں اور عزت کے مقام پر ہیں۔ نہ تو ہم اپنے وطن سے نکالے گئے اور نہ مال و اسباب سے محروم کیے گئے۔ ہماری جایداد و عیال ہر طرح یہاں محفوظ ہے۔(چچ نامہ،

ص ۲۱۰-۲۱۱، سیّد ابوظفر ندوی، ص ۹۲)

تاریخی مآخذ میں یہ صراحت بھی ملتی ہے کہ عام لوگوں کے سامنے مذکورہ بیانات کا یہ اثر ہوا کہ دیہی علاقوں سے لوگ کثیر تعداد میں محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی حکومت کے تئیں اطاعت کا اظہار کیا اور اس کے محاصل (خراج وغیرہ) کے بارے میں براہِ راست ان سے استفسار کیا (پس جملہ روسائے شہر حاضر آمدند و مال بخود قبول کردند و از محمد بن قاسم مبلغ خراج خود را استخبار کردند)۔(چچ نامہ، ص ۲۱۱، سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن، ص ۱۵)

اس کے علاوہ محمد بن قاسم نے شہر اور گاؤں کے تمام لوگوں کو اطمینان دلایا کہ وہ بلاخوف وخطر اپنی اپنی مصروفیات جاری رکھیں، ہرطرح خوشی واطمینان سے رہیں۔ ان کے حقوق پر کسی کو دست درازی کا حق حاصل نہ ہوگا۔(چچ نامہ، ص ۲۱۲)

معاشی حقوق

اسلامی قانون کی رُو سے مسلم حکومت کے تحت جن غیرمسلموں کو ذمّی کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا ہے، ان کی جان کے تحفظ کے ساتھ ان کے اموال واسباب کی حفاظت کی ضمانت بھی حکومت لیتی ہے۔ اسلام میں ان کی جان کی طرح ان کے مال واسباب کو بھی اس قدر محترم سمجھا جاتا ہے کہ اسلامی شریعت کسی کے لیے یہ بھی روا نہیں رکھتی کہ وہ ان کی چیزوں کو تباہ وبرباد کرے جن کا قانونی طور پر ذمّی کے لیے مسلم شہروں میں لانا یا رکھنا جائز نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اس قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے تادیب یا سزا کے مستحق قرار پائیں گے۔[۱۲]

اسی کے مطابق محمد بن قاسم نے دیبل، نیرون، برہمن آباد، ارور اور دوسرے شہروں میں اپنا نظم ونسق قائم کرتے ہوئے مفتوحین کو یہ یقین دلایا تھا کہ حکومت ان کے جان و مال کی حفاظت کی ضمانت لیتی ہے اور وہ کسی کو یہ اجازت نہ دے گی کہ وہ ان کی جایداد واملاک کو نقصان پہنچائے۔ اپنے مشہور 'برہمن آباد اعلامیہ' (Declaration) میں انھوں نے یہ صاف طور پر واضح کیا کہ:

> مفتوحین میں سے جن لوگوں کو ذمّی کا مقام مل گیا ہے ان کے اموال واسباب ان کی تحویل میں باقی رہیں گے اور ان کی کسی چیز میں کوئی تصرف نہ کیا جائے۔(چچ نامہ، ص ۲۰۹)

مزید برآں محمد بن قاسم کے استفسار پر مفتوحین کی حیثیت واضح کرتے ہوئے حجاج بن یوسف

نے صاف لفظوں میں یہ تحریر کیا کہ: ''جب وہ ذمّی ہوگئے تو ان کے جان و مال میں تصرف کا ہمیں کوئی اختیار حاصل نہیں بلکہ انھیں جانی و مالی تحفظ فراہم کرنا ہم پر فرض ہوگیا'' (چوں ذمی شدند در خون و مال ایشاں دست تصرف ما مطلق نباشد)۔ (چچ نامہ، ص ۲۱۳، سیّد ابوظفر ندوی، ص ۹۳)

اس سے اہم یہ کہ محمد بن قاسم نے صرف برہمن آباد کے علاقے میں ۱۰ ہزار ایسے تاجروں، دست کاروں اور کاشت کاروں کو مالی امداد فراہم کی، جنھیں اس علاقے میں جنگ کے دوران مالی نقصان اُٹھانا پڑا تھا (چچ نامہ، ص ۲۰۹، سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن، ص ۱۴)۔ اس سے بڑھ کر معاشی تحفظ کی اور کیا مثال ہوسکتی ہے!

محمد بن قاسم کی حکومت کے تحت سندھ کے ہندوؤں کو نہ صرف معروف ذرائع معاش (تجارت، زراعت و دست کاری) اختیار کرنے کی مکمل آزادی تھی بلکہ حکمران کی جانب سے انھیں یہ ترغیب بھی دی گئی کہ وہ بلاخوف و خطر اپنی معاشی سرگرمیاں جاری رکھیں اور مسلمانوں سے اقتصادی معاملات قائم کرنے میں بھی وہ کوئی خطرہ محسوس نہ کریں بلکہ مطمئن رہیں اور اپنی بہتری کے لیے کوشش کرتے رہیں (وبا مسلماناں خرید و فروخت کنند و ایمن باشند و در صلاح خود کوشند)۔ (چچ نامہ، ص ۲۱۴)

ذمّیوں کے لیے معاشی سرگرمیوں کی آزادی اور ان کے مالی حقوق کے تحفظ کی یہی یقین دہانی، گورنر عراق کے اس خط میں بھی ملتی ہے، جسے قصبہ منھل کے محمد بن قاسم کے زیرنگیں آنے کے بعد ان کو لکھا تھا۔ اس کے ایک حصّے کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

> جو لوگ اطاعت قبول کرلیں انھیں امان دو، ان پر حکومت کے محصول مقرر کرو، اہلِ حرفت و تجارت پر زیادہ بار نہ ڈالو۔ جو لوگ کاشت کاری اور پیداوار بڑھانے میں محنت سے کام لیتے ہیں، ان سے خاص طور سے نرمی و فراخ دلی کا مظاہرہ کرو اور انھیں مالی مدد بھی بہم پہنچاؤ۔ جو لوگ مشرف بہ اسلام ہوجائیں، ان سے عشر (زمین کی پیداوار کا دسواں حصّہ) وصول کرو اور جو اپنے مذہب پر قائم رہیں ان کی صنعت و زراعت پر مقامی دستور کے مطابق محصول عائد کرو۔ (چچ نامہ، ص ۲۱۹، سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن، ص ۱۸)

خراج کی ادایگی کی شرط پر غیر مسلموں کی اراضی پر ان کا قبضہ بحال رکھنا ذمّیوں سے متعلق اسلامی قوانین کا ایک حصّہ ہے جس پر محمد بن قاسم کی حکومت کے تحت بھی عمل ہوا (چچ نامہ، ص ۲۰۹،

۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۹-۲۲۰)۔مزید برآں انھوں نے سندھ کے ہندوؤں میں بااثر وتجربہ کار لوگوں بالخصوص سابق حکومت کے متعلقین کو خراج (مال گزاری) کی تشخیص وتحصیل کی ذمہ داری سپرد کی۔ اس طرح مقامی لوگوں کو ہی 'امین' و'عامل' کے منصب پر مامور کیا (پس دہقان ورئیساں را بر تحصیل مال نصب فرمود تا از شہر و روستا اموال در ضبط آرند۔ ایشاں را قوتی واستظہارے باشد)۔(چچ نامہ، ص۲۰۹-۲۱۱)

یہاں یہ ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خراج کی تحصیل کے لیے افسروں کو مقرر کرنے کے ساتھ محمد بن قاسم نے انھیں یہ ہدایت بھی جاری کی کہ کسانوں پر ان کی استطاعت سے زیادہ محصول نہ عائد کیا جائے، اس کی وصولی میں ان کے ساتھ نرمی ورعایت برتی جائے۔حکمران اور رعایا کے مابین معاملات سچائی وانصاف کی بنیاد پر قائم کیے جائیں (راستی میان خلق وسلطان نگاہ دارید و بقدر احتمال ہرکس را خراج نہید و باہم دیگر ساختہ باشید و متردد نشوید تا ولایت خراب نگردد)۔(چچنامہ، ص۲۱۱، ۲۱۹، سیّد ابوظفر ندوی، ص۹۱-۹۲)

محمد بن قاسم نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ افسرانِ محاصل کو مذکورہ ہدایات جاری کرنے کے بعد عوام کے مختلف طبقوں کو الگ الگ بلا کر انھیں یہ اطمینان دلایا کہ وہ نئی حکومت سے کوئی اندیشہ نہ کریں۔ محاصلِ واجبہ کے علاوہ ان سے اور کچھ نہ وصول کیا جائے گا۔بس وہ حکومت کے مقررہ محصول کو ادا کرتے رہیں۔ان کے ساتھ ہر طرح سے نرمی ورعایت کی جائے گی اور جو کچھ بھی عرض داشت وہ پیش کریں گے اس کی بروقت شنوائی ہوگی۔(چچ نامہ، ص ۲۱۲،سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن، ص ۱۵)

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بخوبی عیاں ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم نے سندھ میں اپنی حکومت کے دورانِ مذہبی، سماجی ومعاشی تمام معاملات میں غیر مسلموں کے ساتھ روادارانہ وعادلانہ برتاؤ کا مظاہرہ کیا اور بلا کسی امتیاز جملہ عوام کے تئیں فراخ دلانہ رویہ اپناتے ہوئے انھیں ہر طرح سے مطمئن اور خوش رکھنے کی کوشش کی۔سندھ کے ایک معروف علاقے نیروں کی فتح کے دوران حجاج بن یوسف نے مفتوحین (رعایا) کی دل داری ودل جوئی کی ترغیب دیتے ہوئے محمد بن قاسم کو لکھا تھا کہ:

قیامِ سلطنت کے چار اہم ستون ہیں: ۱- مداراۃ (خاطر داری)، مواساۃ (ہمدردی)، مسامحت (رواداری)، مصاہرت (رشتہ داری)۔ ۲- مال وعطیہ دینا ۳- دشمنوں کی

مخالفت میں صحیح راے قائم کرنا ۴- رُعب و شہامت، قوت و شوکت کا اظہار کرنا۔
(چچ نامہ، ص ۲۱۲، سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن، حوالہ بالا، ص ۶)

اس میں کسی شبہے کی گنجایش نہیں کہ محمد بن قاسم نے اپنی سلطنت ان ستونوں پر قائم کی اور اپنے چچا کی اس نصیحت کو بھی ہمیشہ پیش نظر رکھا کہ رعایا کے ساتھ لطف و کرم اور ان کی فلاح و بہبود کو دستور بنایا جائے۔ اسی طرح یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ محمد بن قاسم نے غیرمسلموں کے مختلف طبقات کے لوگوں کو سماجی حقوق عطا کرنے میں رواداری کا مظاہرہ کیا، جن میں برہمن و بدھ، اعلیٰ و ادنیٰ، امیر و غریب سبھی شامل تھے۔ لیکن تاریخی مآخذ بالخصوص چچ نامہ میں برہمنوں کے سیاق میں اس کا زیادہ ذکر ملتا ہے جیسا کہ اُوپر کے مباحث میں بھی بار بار ان کا حوالہ سامنے آیا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ برہمن اس وقت کے سندھی معاشرے میں پہلے سے معزز و بااثر لوگ شمار ہوتے تھے اور سیاست و حکمت کے دائرے میں بھی انھی کی بالادستی قائم تھی۔ اس لیے ان کی خصوصی دل جوئی اور مدارات مصلحتاً مطلوب تھی۔

یہاں یہ ذکر بھی دل چسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سندھ کی فتح کے دوران بعض اوقات مفتوحین کے ساتھ محمد بن قاسم کی ضرورت سے زیادہ رواداری کی مثالیں حجاج بن یوسف کے سامنے آئیں تو انھوں نے اس پر انھیں متنبہ کیا اور فہم و فراست اور احتیاط و ہوش مندی سے کام لینے اور دوست دشمن میں تمیز کرنے کی تلقین کی۔ (چچ نامہ، ص ۱۵۱-۱۵۲، سیّد ابوظفر ندوی، ص ۸۲-۸۳)

دوسرے مؤرخین کے یہاں برہمنوں کے ساتھ محمد بن قاسم کی حکومت کی مراعات کے زیادہ ذکر کی وجہ ایک یہ بھی ہوسکتی ہے کہ سابق اہلِ حکومت کی حیثیت سے ان سے فاتح سندھ کا زیادہ واسطہ پڑا اور حکومت کی سطح پر انھی سے معاہدات و معاملات طے ہوئے، اس لیے وہی خاص طور سے مؤرخین کی توجہ کا مرکز بنے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس عظیم فاتح کی رواداری و فراخ دلی اور اس کا کریمانہ و منصفانہ رویہ، غیرمسلموں کے دوسرے طبقے کے لوگوں اور عام رعایا کے ساتھ محقق و مسلّم ہے جس کا متعدد بار حوالہ اُوپر بھی دیا گیا۔ اس کا مزید ثبوت مقامی لوگوں کی کثیر تعداد کے محمد بن قاسم کے تئیں حُسنِ اعتقاد، اظہارِ محبت و حمایت اور اطاعت و تابع داری سے ملتا ہے۔ اس بات کی توثیق اُس شدید رنج و غم سے بھی ہوتی ہے، جسے سندھ کی غیرمسلم رعایا نے اپنے محبوب

حکمران محمد بن قاسم کی سندھ سے دمشق واپسی کے وقت ظاہر کیا تھا۔[۱۳]

مزید برآں مؤرخین اس کی بھی شہادت دیتے ہیں کہ گورنر عراق نے سندھ میں محمد بن قاسم کی حکومت کے دوران اپنے متعدد خطوط میں نظم و نسق کے باب میں ان کی بہترین کارکردگی کو سراہا اور بالخصوص ان کی رعیت نوازی اور عوام کے ساتھ ملاطفت و رواداری کی خوب تعریف کی ہے۔ مثال کے طور پر برہمن آباد اور لوہانہ میں ان کے حُسنِ انتظام کی تفصیلات ملنے پر وہ انھیں لکھتے ہیں:

> آنچہ در سپہداری و رعیت نوازی و تربیت احوال رعایا و ترتیب امور کوشی، محمدت وافر باشد۔ (چچ‌نامہ، ص ۲۱۶) [تم نے فوجی انتظام، رعایا نوازی، ان کے حالات کی درستی اور انتظامی اُمور کی بہتری کے لیے جو اَن تھک کوشش کی ہے، وہ کافی قابلِ تعریف ہے۔]

قدیم و جدید مسلم مؤرخین میں محمد بن قاسم کے اوصافِ حمیدہ بالخصوص رعیت نوازی، رواداری، انصاف پسندی اور عوام کی بھلائی میں غیرمعمولی دل چسپی کو نمایاں کرنے والوں کی کمی نہیں۔ یہاں بعض غیرمسلم مؤرخین کے تاثرات نقل کرنا زیادہ مناسب و موزوں معلوم ہوتا ہے۔ **History of Jahangir** (تاریخِ جہانگیر) کے مصنف ڈاکٹر بینی پرشاد اسی کتاب میں ایک جگہ محمد بن قاسم کی حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ہندستان میں کسی حکومت کے مقبول ہونے کے لیے ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ اس کے باشندوں کو مذہبی فرائض انجام دینے اور عبادت کرنے میں آزادی ہو۔ ہندستان کے مسلم حملہ آوروں نے مذہبی رواداری کی اہمیت کو بہت جلد محسوس کرلیا تھا اور اپنی حکمت عملی اسی کے مطابق بنائی۔ آٹھویں صدی میں محمد بن قاسم نے سندھ میں اپنی حکومت کا جو نظم و نسق قائم کیا، وہ اعتدال اور رواداری کی روشن مثال ہے۔[۱۴]

آخر میں اس جانب بھی اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُوپر کے مباحث میں سندھ کے غیرمسلموں کے ساتھ محمد بن قاسم کے روادارانہ برتاؤ سے متعلق جو کچھ پیش کیا گیا ہے، وہ زیادہ تر ذمّی کی حیثیت سے ان کے حقوق کی وضاحت پر مبنی تھا۔ اس کی وجہ اس اٹل حقیقت کی روشنی میں سمجھی جاسکتی ہے کہ ذمّیوں سے تعلقات کے بارے میں اسلام کی جو تعلیمات اور ان سے برتاؤ و معاملات سے متعلق جو قوانین ملتے ہیں، وہ مسلم حکومت کے تحت غیرمسلموں کے ساتھ رواداری،

فراخ دلانہ سلوک ومنصفانہ برتاؤ اور ان کی فلاح و بہبود کی بہترین ضمانت پیش کرتے ہیں۔

اسلام کے ان اصول وضوابط پر عمل کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ غیر مسلموں کے جان و مال کے تحفظ کا اہتمام، ان کے سماجی و معاشی حقوق کا احترام، بلاکسی امتیاز عوام کے ساتھ اچھا سلوک، رعایا کے ساتھ اچھا برتاؤ اور محکوموں کی بھلائی اور اصلاحِ احوال میں دل چسپی۔[۱۵] مولانا ابوالکلام آزاد نے بہت درست نشان دہی فرمائی ہے کہ اگر شریعت کی روشنی میں اہلِ ذمّہ کے حقوق ونفاذِ جزیہ کی غرض وغایت غیر مسلموں کے سامنے اچھی طرح واضح کر دی جائے، تو ان کے سامنے یہ حقیقت آشکارا ہوجائے گی کہ 'ذمی' بنانے کا مطلب ان کی تذلیل وتحقیر نہیں بلکہ ''یہ وہ بہتر سے بہتر سلوک ہے جو دنیا میں کوئی حاکم قوم محکوموں کے ساتھ کرسکتی ہے''۔[۱۶]

حواشی

۱- تفصیل ملاحظہ ہو: قاضی اطہر مبارک پوری، خلافتِ راشدہ اور ہندستان، ندوۃ المصنّفین، دہلی ۱۹۷۲ء،ص ۵۲، ۹۸-۱۰۱

۲- سیّد سلیمان ندوی، عرب و ہند کے تعلقات، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۷۹ء، (باب دوم، تجارتی تعلقات)،ص ۴۴-۹۶۔ ڈاکٹر تاراچند: Influence of Islam on Indian Culture، الہ آباد، ۱۹۷۶ء،ص ۲۵-۲۹

۳- تفصیلات کے لیے دیکھیں: سیّد ابوظفر ندوی، تاریخ سندھ، اعظم گڑھ، ۱۹۷۰ء

۴- یہ کتاب اصلاً عربی میں منہاج المسالک کے نام سے مرتب کی گئی تھی، جو اس وقت دستیاب نہیں ہے۔ اسے محمد علی بن حامد بن ابوبکر کوفی نے سندھ کے آزاد حکمران ناصرالدین قباچہ [م: ۱۲۲۸ء] کے عہد میں ۱۲۱۶ء میں فارسی میں منتقل کیا۔ اب یہ ترجمہ ہی اہلِ علم و مؤرخین میں متداول ہے۔ اس پر مفصل معلومات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: مقدمہ مصحح ومرتب چچ نامہ، عمر بن محمد داؤد پوتہ، محولہ بالا، نیز دیکھیے: ڈاکٹر این اے بلوچ: Great Books of Islamic Civilization، نئی دہلی، ۱۹۹۷ء، ص ۱۱۱-۱۱۲)

۵- عبدالحفیظ صدیقی، برصغیر پاک وہند میں اسلامی نظام عدل گستری، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۶۹ء، ص ۱۷

۶- احمد بن یحییٰ البلاذری، فتوح البلدان، بیروت، ۱۹۵۷ء، ص ۶۱۳- ۶۱۴؛ چچ نامہ، ص ۲۱۳-۲۱۴، ۲۱۸

۷- سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن، ہندستان کے سلاطین، علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، اعظم گڑھ، ۱۹۷۰ء، ص ۴۹؛ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص ۶۷، عبدالحفیظ صدیقی، محولہ بالا، ص ۱۷۔

۸- فخر مدبر، آداب الحرب والشجاعۃ، ص ۴۰۳؛ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص ۸۷، ۱۴۱، ۲۹۰، ۲۹۱، ۵۷۳، ۵۷۵؛ شمس سراج عفیف، تاریخ فیروز شاہی، ص ۱۸۰، ۳۶۶، ۳۸۲، ۳۸۴؛ فتوحاتِ فیروز شاہی، ص ۹، ۱۶، ۱۷، ۱۹، ۲۰؛ سیرتِ فیروز شاہی، ص ۱۲۸

۹- کلماتِ طیبات (مشتمل بر مکتوبات غوث الثقلین)، مرزا مظہر جانِ جاناں، قاضی ثناء اللہ پانی پتی و شاہ ولی اللہ دہلوی) مطبع مطلع العلوم، مرادآباد، ۱۸۹۱ء، ص ۲۷-۲۸۔ راقم کا مقالہ: 'ہندوؤں کے ساتھ سلطان فیروز شاہ تغلق کا برتاؤ'، تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ، ۱۲/ ۳، جولائی-ستمبر ۱۹۹۳ء، ص ۳۵-۷۲

۱۰- ابوالکلام آزاد، جامع الشواہد فی دخول غیر المسلم فی المساجد، ۱۹۶۱ء، ص ۸۱-۸۴

۱۱- چچ نامہ، ص ۲۰۹؛ سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن: ہندستان کے عہدِ ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، اعظم گڑھ، ۱۹۷۵ء، ص ۱۴

۱۲- ظفرالاسلام اصلاحی: اسلامی قوانین کی ترویج و تنفیذ، عہد فیروز شاہی کے ہندستان میں، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ، ۱۹۹۸ء، ص ۱۷-۸۸

۱۳- البلاذری، محولہ بالا، ص ۴۴۰، تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن، ص ۲۱-۲۲، سیّد ابوظفر ندوی، ص ۱۲۳

۱۴- ڈاکٹر بینی پرشاد: History of Jahangir، الٰہ آباد، ۱۹۶۲ء، ص ۸۰-۸۱؛ سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن: ہندستان کے عہدِ ماضی میں مسلم حکمرانوں کی مذہبی رواداری، ص ۲۴

۱۵- سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی حکومت میں غیرمسلموں کے حقوق، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۰ء

۱۶- ابوالکلام آزاد، جامع الشواہد فی دخول غیر المسلم فی المساجد، ص ۸۴